Open Access
Al-Marjān Research Journal
ISSN(E): 3006-0370
ISSN(P): 3006-0362
al-marjan.com.pk

Tradition of Storytelling in Sufi Poetry: A Research and Analytical Study

صوفیانہ شاعری میں حکایت نگاری کی روایت: ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

Authors Details

1. Muhammad Yousaf (Corresponding Author)
PhD Scholar, Minhaj University Lahore, Pakistan.
yousafminhajian@gmail.com
2. Dr. Muhammad Mumtaz Ul Hassan
Professor, Minhaj University Lahore, Pakistan.

Citation

Yousaf, Muhammad and Dr. Muhammad Mumtaz Ul Hassan" Tradition of Storytelling in Sufi Poetry: A Research and Analytical Study"Al-Marjān Research Journal, 3,no.1, Jan-Mar (2025): 327−343.

Submission Timeline

Received: Dec 11, 2024
Revised: Dec 27, 2024
Accepted: Jan 07, 2025
Published Online: Jan 19, 2025

Article QR

Publication, Copyright & Licensing

Al-Marjān Research Center, Lahore, Pakistan.

All Rights Reserved © 2023.
This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

Tradition of Storytelling in Sufi Poetry: A Research and Analytical Study

صوفیانہ شاعری میں حکایت نگاری کی روایت: ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

☆ محمد یوسف ☆ ڈاکٹر محمد ممتاز الحسن

Abstract

This study delves into the rich tradition of storytelling in Sufi poetry, focusing on how Sufi mystics have utilized poetry as a means of expressing their profound spiritual thoughts and experiences. Sufi poets, through allegorical narratives and symbolic language, have created a unique literary form that serves as a vehicle for conveying esoteric knowledge, divine love, and the quest for spiritual enlightenment. The paper explores the literary significance of Sufi poetry, analyzing how its narrative structures transcend mere storytelling to become a medium of spiritual instruction and philosophical reflection. The study aims to highlight how the blending of poetic imagination and mystical wisdom has cemented Sufi poetry's place as a vital and revered genre in world literature. This research offers an in-depth exploration of the way Sufi poetry, through its storytelling techniques, engages with themes of divine reality, inner transformation, and the human soul's journey toward union with the divine.

Keywords: Sufi poetry, storytelling, mysticism, spiritual enlightenment, allegorical narratives.

تعارف موضوع

اسلامی تعلیمات کی اشاعت و فروغ اور انفرادی و اجتماعی احوال کی اصلاح کے لیے مختلف ادوار میں اہلِ علم نے اپنے اپنے مزاج اور ذوق کے مطابق متعدد اسالیب اختیار کیے اور اپنی تحریر وکلام کے ذریعے معاشرے کے ہر طبقہ کی تعلیم و تربیت کا فریضہ سرانجام دیا، جس کے نتیجے میں اسلامی ادب کا ایک عظیم ذخیرہ معرضِ وجود میں آتا چلا گیا۔ قرآن مجید کی آیات کی تفسیر کی گئی تو تفسیری ادب، حدیث مبارک کی تشریح و توضیح کی گئی تو حدیثی ادب، حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ سے خوشہ چینی کی گئی تو سیرتی ادب اور جب فقہاء نے عبادات و معاملات کے مسائل کو واضح کیا تو فقہی ادب وجود میں آیا۔ اسی طرح اسلام کی تعلیمات کے فروغ کے لیے جب صوفیاء، اولیاء اور صلحاء نے کاوشیں کیں اور اپنے خاص اسلوب اور مزاج کے مطابق علمی، فکری اور اصلاحی میدان میں تحریری خدمات سرانجام دیں اور اپنے مافی الضمیر کو بیان کیا تو اس سے صوفیانہ شعر وادب وجود میں آیا۔

شاعری کے ذریعے انسان اپنے اردگرد موجود اشیاء کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ تخیلات اور احساسات کے ذریعے اپنے من پسند حالات، جذبات اور رشتوں کا نظارہ اپنے قلب وروح سے کرلیتا ہے۔ شاعری کے ذریعے نثر کے مقابلے میں زیادہ مؤثر طریقے سے احساسات و جذبات کو

☆ پی ایچ ڈی اسکالر، منہاج یونیورسٹی لاہور، پاکستان۔
☆ پروفیسر، منہاج یونیورسٹی لاہور، پاکستان۔

نہ صرف بیان کیا جاسکتا ہے دوسروں کو بھی ان ہی احساسات وخیالات کی رُو میں اسی طرح بہا کر لے جایا جاسکتا ہے کہ ہر پڑھنے والا اسے اپنے ہی دل کی آواز محسوس کرتا ہے۔ شاعری میں مخاطب کو کسی نئے تصور سے متعارف کروانے اور اس کے جذبات واحساسات کو بیدار کرنے کے لیے براہِ راست کلام نہیں کیا جاتا بلکہ تشبیہ، استعارہ اور مجاز سے کام لیا جاتا ہے۔ شاعری رمز و کنایہ پر مبنی ہونے کے سبب ابہام رکھتی ہے اور اسی ابہام کے باعث یہ متعدد معانی ومفاہیم کی حامل ہوتی ہے۔ نتیجتاً ہر کوئی اس سے اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق معانی اخذ کرتا رہتا ہے۔

> ”شعر سے جس طرح نفسانی جذبات کو اشتعال ملتا ہے، اسی طرح روحانی خوشیاں بھی زندہ ہوتی ہیں۔ شعر اگرچہ براہ راست علم اخلاق کی طرح تلقین اور تربیت نہیں کرتا لیکن ازروئے انصاف اس کو علم اخلاق کا نائب اور قائم مقام کہہ سکتے ہیں۔
> اسی بناء پر صوفیاء کرام کے ہاں سماع کو؛ جس کا جزوِ اعظم اور رکنِ رکین شعر ہے، وسیلۂ قربِ الٰہی اور باعثِ تصفیۂ نفس و تزکیۂ باطن مانا گیا ہے۔“[1]

گویا شاعری محض آواز اور الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ معنی کے ساتھ بھی ایک خاص نسبت رکھتی ہے۔ شاعری میں محض الفاظ اور آواز پر توجہ مرکوز رکھنا اسے بے روح اور مردہ کر دیتا ہے کیونکہ اس صورت میں توجہ صرف الفاظ کے ترنم اور بحر و وزن تک محدود رہتی ہے اور معنی و مفہوم نظر انداز ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً اس کا اسلوبِ بیان بے جان ہونے کے سبب زندگی میں تحرک لانے میں بھی ناکام رہتا ہے۔ پس شاعری کا موضوع وہ تمام خیالات بھی ہیں جن کا وجود عمل سے پہلے ضروری ہے اور وہ خیالات بھی شاعری کے موضوع میں شامل ہیں جو انسان کے ذہنی تجربات کا نتیجہ ہیں اور اسے روحانی طور پر آگے بڑھنے میں میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔

مبحث اول: صوفیانہ شاعری– مفہوم، آغاز اور حکایت نگاری

1. صوفیانہ شاعری کا مفہوم

صوفیاء نے اپنے افکار اور خاص اسلوب کے تحت اسلامی تعلیمات کی ترویج و فروغ کے لیے شعر و ادب کو ذریعۂ اظہار بنایا۔ بظاہر تصوف اور شعر و ادب الگ الگ میدان نظر آتے ہیں کہ تصوف میں روحانیت اور باطنی زندگی کے احوال کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے اور مابعد الطبیعیات تصورات کا غلبہ دکھائی دیتا ہے جبکہ شعر و ادب زندگی کے ظاہری پہلوؤں پر توجہ مرکوز رکھتا ہے لیکن ان دونوں تصورات کا عمیق نظری سے مطالعہ تصوف اور شعر و ادب کے درمیان ایک مضبوط تعلق اور رشتہ کی نشاندھی کرتا ہے۔ اِن دونوں کے درمیان انسان کے اخلاق و کردار کو رضائے الٰہی کے مطابق سنوارنا، باطن میں رقت و نرمی کو جنم دینا، زاویۂ نظر اور افکار و خیالات میں وسعت پیدا کرنا اور انسان کو وقتی لذت کے بجائے دائمی کیف و سرور سے ہمکنار کرنا وہ مشترک اقدار ہیں، جن کے حصول کے لیے یہ اپنے اپنے طریق کے مطابق مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ ان اقدار ہی کی وجہ سے اکثر صوفیاء کرام شعر و ادب میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ ایک طرف عملی طور پر بطورِ صوفی فلاحِ انسانیت کے لیے مصروف دکھائی دیتے ہیں تو دوسری طرف شعر و ادب کے کے ذریعے لوگوں کے خیالات و افکار کی تطہیر کا فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں۔ حکیم سنائی، فرید الدین عطار، مولانا روم، شیخ سعدی، باباطاہر، ابوسعید الخیر، محمود شبستری، حافظ شیرازی، جامی اور دیگر کئی صوفیاء کی پہچان تصوف و سلوک ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ شعر و ادب میں بھی اپنی تصنیفات کے ذریعے ایک طویل زمانہ سے دلوں پر حکمرانی کر رہے ہیں۔

ہر زمانہ میں شعراء و ادباء نے صوفیانہ افکار و خیالات کو بیان کیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شعر و ادب کے موضوعات اصل میں اُس زمانے میں موجود سائنس، فلسفہ یا مذہب کی صورت میں موجود افکار ہوتے ہیں۔ شعراء اور ادباء ان افکار سے ہی اپنے شعر و ادب کے لئے غذا حاصل کرتے ہیں

[1] Hālī, Altaf Ḥusain, *Muqaddama Shu'ro Sha'irī* (Lucknow: Uttar Pradesh Urdu Academy, 1992), 15.

اور نھیں عوام وخواص تک اپنے مزاج اور ذوق کے مطابق پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ فلسفہ، سائنس اور مذہب میں سے سب سے کارگر مذہب ہے جسے شعر وادب سب سے زیادہ قبول کرتا ہے، اس لیے کہ ہر معاشرہ پر اس کے مذہب کا رنگ دوسرے افکار کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ادب کو اپنی فکری خوراک زیادہ مقدار میں مذہب سے میسر آتی ہے۔ مذہب میں چونکہ اخلاق اور اخلاقی اقدار کا غلبہ ہوتا ہے، لہٰذا شعر وادب جب مذہب سے اپنی فکری خوراک حاصل کرتا ہے تو لامحالہ یہی اخلاقی اقدار اس کے ذریعے بھی فروغ پاتے ہیں۔

عربی ادب کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو وہاں ایک طرف دورِ جاہلیت کے ادب بھی مذہبی اثرات سموئے ہوئے نظر آتا ہے تو دوسری طرف دورِ اسلام کے اوائل دور میں بھی کثیر شعراء عرب نظر آتے ہیں جنھوں نے مذہبی خیالات وافکار اور اخلاق وحسنِ سیرت کے پہلوؤں کو اپنی شاعری کے ذریعے بیان کیا۔ فارسی شعراء میں؛ حکیم سنائی، ابو سعید الخیر، بابا طاہر عریاں، فرید الدین عطار، مولانا روم، شیخ سعدی، حافظ شیرازی اور ان جیسے متعدد صوفی شعراء کی ایک طویل فہرست ہے جو متصوفانہ شاعری کے حامل ہیں۔ اسی طرح اردو شعر وادب پر بھی مذہبی خیالات وافکار کا غلبہ اور تصوف کا رنگ بکھرا ہوا نظر آتا ہے، جہاں میر درد، مظہر جان جاناں اور دیگر شعراء کے کلام میں صوفیانہ افکار اور مذہبی خیالات کا اثر بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ہر زمانے میں شعراء وادباء نے مذہبی افکار وخیالات اور اخلاقی تعلیمات کو اپنے شعر وادب میں نمایاں مقام دیا اور ہر زبان میں شعر وادب کی تخلیق میں مذہبی عقائد ونظریات نے شعراء کو ایک مضبوط تخلیقی بنیاد فراہم کی۔ اس طرح تصوف اور مذہب کو شعراء وادباء نے اپنے مزاج کے مطابق عوام وخواص میں متعارف کروایا۔ ذیل میں ان وجوہات کو بیان کیا جاتا ہے جن کے سبب تصوف کی تعلیمات کو شعراء نے اپنا موضوع سخن بنایا:

ا۔ شعر وادب پوری زندگی کے ترجمان ہوتے ہیں اور زندگی کا ہر پیش آمدہ موضوع اس کی حدود میں شامل ہے۔ بعض لوگوں نے شعر وادب کے مفہوم کو محدود کرتے ہوئے اسے صرف حسن وجمال اور اختراع وتخلیق تک محدود کر رکھا ہے اور ان کے نزدیک تصوف اور اس کے موضوعات شعر وادب میں شامل نہیں ہوسکتے۔ وہ اس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ تصوف اور اخلاق اسلامی تعلیمات کی روشنی میں واضح ہیں، لہٰذا اس میں ایجاد وتخلیق ممکن نہیں جبکہ شعر وادب میں تو شعراء وادباء ہر آئے روز نئے موضوعات اور افکار کو متعارف کراتے رہتے ہیں۔ شعر وادب کے دائرہ کار کو اس طرح محدود کرنے والے ماہرین ادب کے حوالے سے یہ بات فراموش کر دیتے ہیں کہ ادب کا تعلق صرف جمالیات سے نہیں بلکہ تصوف سمیت زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نامور شعراء وادباء نے تصوف کو اپنی تخلیقات میں نمایاں جگہ دی ہے۔ شعر وادب کے وسعتِ مضمون کے حوالے سے اقبال([2]) لکھتی ہیں:

> ”تخلیقی زندگی محض ادب وشعر نہیں بلکہ وہ زندگی ہے جس میں عقل وحسن، انصاف ومحبت کی اقدار ہوں۔ زندگی میں خیر ونیکی بہت ضروری ہے کیونکہ کائنات کا وصف خیر ہے اور خیر کے ادراک کے بغیر زندگی بدشکل اور بنجر بن جاتی ہے۔ مثبت اقدار؛ زندگی کی خوبصورتی کی ضامن ہیں اور یہ اقدار تصوف میں تعلیم وتربیت کا حصہ ہیں۔ صداقت جیسی مثبت قدر متصوفین میں ہی دیکھی جاسکتی ہے۔ ادب بھی مثبت اقدار کی ترجمانی کی بدولت اعلیٰ تصور کیا جاتا ہے۔“

۲۔ شعراء وادباء کے تخلیقی کام دل ودماغ اور نظر کے دائرہ کار کی وسعت کے بغیر ناممکن ہے اور یہ وسعتِ قلب ونظر تصوف کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شاعر وادیب کی تخلیق حسن وجمال کے تصورات سے معمور ہونے کے ساتھ ساتھ قارئین کو تنگ دلی وتنگ نظری سے

[2]Iqbāl, Nafīs, Dr., *‘Abdīyat ke Tanāzur* (Lahore: Idāra Saqāfat-e-Islāmiyā, 2011), 10.

بھی نکالتی ہے اور وہ مختلف الفاظ کے معانی اور تصورات و مفاہیم کو ایک وسیع تناظر میں دیکھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ پس شعراء و ادباء کے ہاں وسعتِ نظر و قلب کا اظہار دراصل تصوف ہی کے مرہونِ منت ہے۔

۳۔ شعراء و ادباء کے ہاں جمالیات اور حسن و ذوق کے مظاہر صرف شعر و ادب ہی کا خاصہ نہیں بلکہ ان کی بنیاد بھی تصوف ہی ہے۔ اس لئے کہ تصوف کا مرکزی خیال اخلاق ہے اور اخلاق و ادب جمالیات ہی کا ایک رنگ ہے۔ کسی میں اخلاق و آداب اور مثبت اقدار دراصل اُس کی زندگی میں حسن و جمال اور ذوقِ نظر کا ہی غماز ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص ان مثبت اور اخلاقی تعلیمات کو فروغ دیتا ہے تو وہ دراصل زندگی کے حسن و جمال اور ذوق نظر ہی کی ترویج کر رہا ہوتا ہے۔

> "تصوف؛ کائنات میں بکھری جمالی (حسن و جمال کی حامل) اشکال کو باطنی ربط و تنظیم کے ذریعے ایک مرکزی ہالے میں داخل کر دیتا ہے، جبلت کو اخلاق بناتا ہے اور جذبے کی تہذیب کا کام کرتا ہے۔"(3)

شعر و ادب کی بنیاد اگر جمالیات ہے تو تصوف میں بھی جمالیات کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ شعراء و ادباء دراصل تصوف ہی کے کئی رنگوں میں سے ایک رنگ یعنی جمالیات کا اپنے فن کے ذریعے اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔

۴۔ شعراء و ادباء کے کلام کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ ان کے کلام میں انسان کے فطری جذبات کو نکھارنے اور سنوارنے کا فریضہ سر انجام دیا جاتا ہے۔ صوفیاء کی بھی یہی تعلیم ہے کہ وہ بھی ہر طرح کی خواہشات کو ختم کرنے کی بجائے انھیں اعتدال و توازن میں لانے کی تاکید کرتے ہیں۔

> "جن معاشروں نے جبلت کو مارنے کے بجائے اس کی تہذیب کرنے کی کوشش کی، وہاں ایک مضبوط اور دیرپا نظامِ اخلاق نے جنم لیا۔۔۔ ادیب اگر اخلاقیات کا نمائندہ ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ ادب کے لیے پند و نصائح تقسیم کرنے پر مامور ہے بلکہ اس لیے کہ وہ جذبے کی تہذیب کا اہتمام کر کے خلقِ خدا کو جذبے کی بربریت اور تشدد سے نجات دلاتا ہے۔"(4)

۵۔ شعر و ادب کے باہمی تعلق میں یہ حقیقت واضح طور پر نظر آتی ہے کہ فارسی اور اردو شاعری سے صوفیانہ افکار و تعلیمات کو الگ کرنا ممکن نہیں۔ حکیم سنائی، ابو السعید الخیر، عراقی، حافظ شیرازی، فرید الدین عطار، شیخ سعدی، مولانا روم کو اگر فارسی ادب سے الگ کر دیا جائے، تو اس ادب میں باقی کچھ نہیں رہتا۔ حتیٰ کہ فارسی قصائد اور طربیہ شاعری میں بھی عرفانی مضامین کا رنگ موجود ہے۔ اسی طرح اردو کے اولین شعراء اور ادباء بھی بذاتِ خود صوفی اور فقیر تھے۔

> "شیخ فرید الدین گنج شکر، شیخ باجن (گجرات)، خوب محمد چشتی، علی محمد جیو گام دھنی، قاضی محمود دریائی، یہ تمام شمالی ہند کے مشہور صوفی شاعر تھے۔ اِن صوفیاء نے قدیم اردو کی خدمت کی۔ قدیم صوفی شعراء نے جکریوں کے ذریعے صوفیانہ ادب تخلیق کیا۔ اسی طرح سلطنت دکن میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے "چکی نامہ" اور شاہ شمس العشاق کے دوہے، ادب سے کیسے خارج کیے جا سکتے ہیں۔ اردو غزل سے میرؔ اور دردؔ کو نکال کر کیا بچتا ہے۔ اردو ادب کے یہ دونوں بڑے شاعر صوفی

---

[3] Iqbāl, Nafīs, Dr., *ʻAbdīyat ke Tanāzur*, 12.

[4] Āghā, Wazīr, Dr., *Adab aur Akhlāqīyat*, in *Dr. Wazīr Āghā ke Tanqīdī Maqālāt*, ed. Sayyid Sajjād Naqvī (Lahore: Maktaba Āliyā, 1995), 227–232.

تھے۔ غزل میں تصوف کے مسائل اس کثرت سے ادا کیے گئے ہیں کہ اگر صوفیانہ اشعار کو خارج کر دیا جائے تو اردو کا نصف سے زیادہ سرمایہ شعری باقی نہ رہے۔([5])

لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ شعر و ادب کو تصوف کے ذوق اور افکار ابتداء سے ہی میسر ہیں اور یہ اپنے آہنگ اور اسلوب میں تصوف سے حد درجہ متاثر ہے۔

۶۔ شعر و ادب پر صوفیانہ افکار کے اثرات کا ایک مظہر یوں بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ تصوف ہی ہے جس کے ذریعے نئے نئے الفاظ، علمی، فکری اور روحانی اصطلاحات اور تلمیحات شعر و ادب میں شامل ہوئیں اور ان کے سبب شاعری کے دائرہ کار کو مزید وسعت نصیب ہوئی۔ تشبیہات و استعارات، تمثیلیں، اسرار اور رمزیت یہ تمام تصوف ہی کی تعلیمات کے زیرِ اثر شاعری میں شامل ہوئے۔ جس طرح وارداتِ قلبی، الہامات اور ملفوظات؛ صوفیاء کی پہچان ہیں، جن کے ذریعے وہ اپنا مافی الضمیر بیان کرتے ہیں، اسی طرح استعارات و تشبیہات شاعری کا بھی حسن ہیں جس کے ذریعے شعراء اپنے قلبی احوال کو بیان کرتے ہیں۔

> ”گونگے آدمی کی طرح صوفی بھی اشارے کر دیتا ہے، یہی اشارے شاعری ہیں جو تصوف کی زبان ہے، ہمارے ادب میں جو ساحل و منزل، غبار و کارواں، مے خانہ و جام و سبو کی اصطلاحات ملتی ہیں، وہ تصوف ہی کی رہینِ منت ہیں۔ نغمہ سرایانِ بزمِ تصوف معترف ہیں کہ ہر چند مشاہدۂ حق کی گفتگو ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی بادہ و ساغر کہے بغیر بات نہیں بنتی۔“([6])

شعر و ادب پر تصوف کا یہ رنگ بھی کسی سے پنہاں نہیں ہے کہ وہ شاعری جو پہلے صرف مجاز اور سفلی جذبات تک محدود تھی، صوفیانہ افکار کی بدولت اصلاح پا کر پاکیزہ جذبات اور حقیقی عشق کی علمبردار قرار پائی۔ شعر و ادب میں تصوف ہی کی بدولت شائستگی، احترام، وقار اور عزت نفس جیسی روایات پیدا ہوئیں اور تصوف ہی کی وجہ سے شعر و ادب میں فلسفہ بھی داخل ہوا۔

2. صوفیانہ شاعری کی ابتداء

صوفیاء کرام کے کردار کا اگر عمیق نظری سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو کسی ایک دائرہ یا جہت تک محدود نہیں رکھا۔ قلب و باطن کی اصلاح کا معاملہ آئے یا ظاہری اعمال کی درستگی کا مسئلہ، خیالات کو طہارت و پاکیزگی کے قالب میں ڈھالنا ہو یا عملی طور پر مخلوقِ خدا کی خدمت ہر حوالے سے یہ بندگانِ خدا اپنا فریضہ سرانجام دیتے نظر آتے ہیں۔ گویا صوفیاء کرام کی خدمات کی جہات میں؛ نظریاتی اور سماجی جہات نمایاں نظر آتی ہیں۔ مگر اِن جہات کے ساتھ ساتھ ایک جہت کا تعلق علم و فکر، زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت سے بھی ہے۔ فارسی زبان میں شاعری کے ذریعے تصوف اور روحانیت کی نمائندگی نہایت ہی عمدہ طریق پر نظر آتی ہے۔ فارسی صوفی شعراء کے تخیل میں انسانی صفات اپنے بلند ترین مقام پر فائز نظر آتی ہیں۔ فارسی زبان میں شاعری پر تصوف کے گہرے اثرات کا ہر سطح پر اعتراف کیا گیا ہے۔ یہ دعویٰ بے جا بھی نہیں ہے، اس لیے کہ ہمیں فارسی کے عظیم شعراء تصوف و سلوک کے میدان میں بھی کبار صوفیاء کی فہرست میں نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے ابوسعید ابوالخیر، حکیم سنائی، شیخ فرید الدین عطار، مولانا روم، عراقی، نظامی، جامی، شیخ سعدی اور حافظ شیرازی اور اس قبیل کے دیگر شعراء سے کون واقف نہیں جو شاعری اور تصوف ہر میدان میں بلند مقام پر فائز ہیں۔

---

[5]Iqbāl, Nafīs, Dr., *ʿAbdīyat ke Tanāzur Se* (Lahore: Idāra Saqāfat-e-Islāmiyā, 2011), 12–13.

[6]Dāniš, Ṣafī Ḥaidar, Sayyid, *Taṣawwuf aur Urdū Shaʿirī* (Lahore: Sindh Sāgar Academy, 1948), 34.

"اردو اور فارسی کلاسیکی میں سب سے بڑا، سب سے سنہرا اور سب سے زیادہ ہمہ گیر وہ اخلاقی نظریہ ہے جو تصوف کی دین ہے۔ اس میں جو رواداری، جو وسیع المشربی، جو دل دہی اور دل داری، جو عشق و ادب ہے، اس سے لوگ سرسری گزر جاتے ہیں حالانکہ اس میں جینے کا ایک سلیقہ چھپا ہوا ہے جو شاعری کے رمز و ایما میں بیان ہوا ہے۔"[7]

فارسی شعراء نے رزمیہ شاعری، قصیدہ نگاری اور تصوف کو اپنا موضوع بنایا مگر فارسی شاعری میں جو رفعت و بلندی اخلاقی و ناصحانہ اور صوفیانہ شاعری کو نصیب ہوئی وہ دیگر موضوعاتِ شاعری کو میسر نہ آئی۔ چھٹی صدی ہجری میں فارسی میں منظم انداز سے عارفانہ شاعری کا آغاز حکیم سنائی نے کیا، ان سے قبل ناصحانہ، حکیمانہ اور عاشقانہ شاعری حتی کہ صوفیانہ و عارفانہ شاعری کے کچھ اثرات ملتے ہیں مگر وہ تمام اس درجہ تک محکم و پختہ دکھائی نہیں دیتے، جس انداز سے حکیم سنائی نے اس کی بنیاد رکھی۔ ساتویں صدی ہجری تک صوفیانہ و عارفانہ شاعری فارسی زبان میں عام رواج پا چکی تھی۔ ابتداء میں شاعری کی صنف غزل سے اس باب میں طبع آزمائی کی گئی اور پھر بعد ازاں رباعیات اور قطعات کے ذریعے بھی تصوف و سلوک کے اسرار و رموز کو بیان کیا گیا۔ "غزل"، "رباعیات"، "قطعات" اور دیگر اصنافِ سخن میں سے عارفانہ شاعری کو جس صنف نے نہایت عمدہ طریق پر بیان کیا، وہ "مثنوی" ہے۔

صوفیانہ اور عارفانہ شاعری میں ناصحانہ اور حکیمانہ اشعار بھی شامل ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے "نصیحت، حکمت اور معرفت" پر مبنی اشعار کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا اور ان کے مابین فرق کرنا مشکل امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم ناصحانہ اور حکیمانہ شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان میں عرفانی پہلو بھی نظر آتے ہیں اور جب ہم خالصتاً عرفانی اور صوفیانہ شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ بھی ہمیں حکمت اور وعظ و نصیحت سے معمور نظر آتی ہے۔ اوائل میں فارسی شعراء صوفیانہ شاعری کرتے ہوئے ذوق، حال، عشق، شوق اور جذبہ کے پہلو کو ہی بیان کرتے تھے مگر بعد ازاں صوفیانہ شاعری میں اس رنگ کے ساتھ ساتھ علمی، فکری، اصلاحی، عارفانہ اور فلسفیانہ رنگ کو بھی شامل کر دیا گیا جس سے صوفیانہ شاعری اعلیٰ ترین صفات اور خوبیوں کی حامل ہو گئی۔

"اب حقیقت میں تصوف ایک عالمگیر تحریک کی شکل میں بیشتر لوگوں کے نزدیک ایک ضابطۂ حیات بن گیا۔ فارسی ادب پر تصوف کا بڑا احسان ہے۔ فارسی ادب کے بہترین شاہکار اسی عقیدے کی تربیت کا فیضان ہیں۔ بعض اہلِ نظر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ تصوف کا نفیس ترین ابلاغ شاعری کے وسیلے سے ہوا۔ اس حقیقت کا ثبوت فارسی ادب میں ڈھونڈنا مشکل نہیں۔"[8]

وہ شعراء جنھوں نے خالصتاً تصوف، اسلامی فلسفہ و فکر اور اصلاحِ احوال کو موضوع بنایا، ان میں سرفہرست حکیم سنائی ہیں۔ پانچویں صدی ہجری کا اواخر اور چھٹی صدی ہجری کا اوائل عہد سلجوقیہ کا وہ زمانہ ہے جب صوفیاء نے شاعری کی صنفِ غزل کے ذریعے سالکینِ تصوف کی روحانی تسکین اور تہذیبِ نفس کا سامان پیدا کیا۔ غزل میں عشقِ حقیقی اور عرفان کے موضوعات بیان کرنے والوں میں سب سے کامیاب نام حکیم سنائی کا ہے۔

"سنائی فارسی کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اس شان سے تصوف کے اسرار و رموز کو شاعری کی زبان میں بیان کیا۔ ان سے پہلے ابو سعید ابو الخیر کی رباعیات میں عارفانہ موضوعات ملتے ضرور ہیں۔ لیکن انہوں نے سنائی کی طرح تصوف کو شاعری کا ایک باقاعدہ اور مستقل موضوع نہیں بنایا۔ ابو سعید ابو الخیر کے ہاں چند رباعیات تصوف میں پائی جاتی ہیں لیکن ان میں

[7]Sarwar, Āl Aḥmad, *Dānishwar Iqbāl* (Aligarh: Educational Book House, 1994), 100.

[8]Qāsmī, Zakīra Sharīf, Dr., *Fārsī Sha'irī (Ek Muṭāla'a)* (Delhi: Indo-Persian Society, 1987), 119.

صرف جوش و عشق کو پُرزور طریقے سے ادا کیا ہے، تصوف کے مسائل اسرار و معارف کو نہیں۔ سنائی کی مثنوی حدیقۃ الحقیقۃ تصوف و اخلاق کے موضوع پر سنائی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ اس مثنوی کے دس ابواب ہیں۔ ہر باب میں موضوع کی وضاحت حکایتوں اور تمثیلوں سے کی گئی ہے۔ فارسی شاعری میں معمولی بات کو انوکھے پیرائے میں ادا کرنے یا معمولی واقعے سے فلسفیانہ استدلال پیدا کرنے کی روایت سنائی ہی سے شروع ہوتی ہے جسے عطار اور رومی نے کمال تک پہنچایا۔ شبلی نے سنائی کو فارسی کی اخلاقی شاعری کا بانی قرار دیا ہے۔"([9])

حکیمانہ اور عارفانہ شاعری کے میدان میں نئے اسالیب متعارف کروانے والے حکیم سنائی جن نئے افکار کو منظرِ عام پر لائے، اس سے قبل شاعری کا دامن اِن افکار سے خالی نظر آتا ہے۔ حکیم سنائی نے وعظ و نصیحت پر مبنی نت نئے موضوعات کو فصیح عبارات کے قالب میں ڈھال کر ایسے بیان کیا ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ حکیم سنائی کی مشہور مثنویاں "سیر العباد"، "طریق التحقیق"، "کنوز الرموز"، عشق نامہ، عقل نامہ اور حدیقۃ الحقیقۃ" (الٰہی نامہ، فخری نامہ)؛ وعظ و نصیحت، معرفت اور سماجی و معاشرتی مسائل پر راہنمائی کے موضوعات سے لبریز ہیں اور یہ تمام چیزیں صوفیانہ شاعری کا ایک لازمی جزو ہوا کرتی ہیں۔ سنائی کے اس اسلوب اور موضوعات و مطالب کو مقبولیتِ عامہ نصیب ہوئی۔

حکیم سنائی نے حدیقۃ الحقیقہ میں تصوف و سلوک اور اخلاق کی تعلیم دیتے ہوئے حکایات کو بھی مسائل کی تفہیم کی غرض سے بیان کیا ہے۔ حدیقۃ الحقیقہ کے موضوعات کی اہمیت اور انھیں بیان کرنے کے اسلوب کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا روم نے مثنوی معنوی میں بعض امور اسی سے مستعار لیے ہیں۔ حکیم سنائی کے لیے مولانا روم کے یہ الفاظ حدیقۃ الحقیقہ کی اہمیت کو دوچند کر دیتے ہیں:

عطار روح بود و سنائی دو چشم ما　　　ما از پس سنائی و عطار میرویم

حکیم سنائی کے بعد ساتویں صدی ہجری کے شیخ فرید الدین عطار صوفیانہ اور عارفانہ شاعری میں اُن تین صاحبانِ کمال میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے اس نوع کی شاعری کی بنیاد رکھی۔ ان اصحابِ ثلاثہ میں "سنائی، عطار اور رومی" شامل ہیں۔ شیخ فرید الدین عطار نے غزل، قصیدہ اور مثنوی ہر ایک اسلوب میں عارفانہ، حکیمانہ، ناصحانہ اور عاشقانہ شاعری کا حق ادا کر دیا۔ "منطق الطیر، خسرو نامہ، پند نامہ، مصیبت نامہ، اسرار نامہ، الٰہی نامہ، بلبل نامہ اور مختار نامہ" کے عناوین سے یہ تمام کی تمام مثنویاں عرفان و تصوف کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ شیخ عطار کی تمام عارفانہ مثنویوں میں "منطق الطیر" انفرادی نوعیت کی حامل ہے۔ جس میں ایک تفصیلی حکایت کے ذیل میں بیسیوں حکایات کو بیان کرتے ہوئے ان سے ناصحانہ، حکیمانہ، عاشقانہ اور عارفانہ نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔

"منطق الطیر" سے نظری تصوف کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ یہ ایک تمثیلی مثنوی ہے جس میں دلچسپ اور نہایت مناسب رمز و کنایے سے کام لیا گیا ہے۔ اسے عارفانہ رزمیہ کا نام بھی دیا جاتا ہے چونکہ اس میں سالک کی روح کو؛ جسے قدما نے طیر (پرندہ) سے تعبیر کیا ہے، اسے پیش آنے والے خطرات اور ہلاکت خیز مقامات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔"([10])

خواجہ عطارؒ نے اصنافِ شاعری میں سے قصیدہ، غزل، رباعی اور مثنوی میں صوفیانہ افکار کو بیان کیا ہے۔

---

[9] Riyāz, Muḥammad, Dr. and Shiblī, Ṣiddīq, Dr., *Fārsī Adab kī Mukhtaṣir Tārīkh* (Delhi: Kitābī Duniyā, 2002), 47–48.

[10] Qāsmī, Zakīra Sharīf, Dr., *Fārsī Sha'irī (Ek Muṭāla'a)* (Delhi: Indo-Persian Society, 1987), 123.

عارفانہ اور صوفیانہ شاعری میں حکیم سنائی اور شیخ فرید الدین عطار کے بعد مولانا جلال الدین رومی کا نام آتا ہے، جنھوں نے ناصحانہ، حکیمانہ اور عارفانہ شاعری کو وہ عروج اور کمال عطا فرمایا کہ آٹھ صدیاں گزر جانے کے باوجود اُن کا کلام آج بھی ایک زندہ حقیقت کی صورت میں نہ صرف موجود ہے بلکہ خلقِ خدا اس سے تصوف و سلوک اور روحانیت و معرفت کے باب میں رہنمائی اور فیض حاصل کر رہی ہے اور ان کی پیروی کو باعث عزت و فخر گردانتی ہے۔ عرفانی و حکیمانہ شاعری کے باب میں مولانا روم کی "مثنوی معنوی" ایک لازوال علمی، فکری اور روحانی فن پارہ ہے۔ جس میں انھوں نے تصوف و حکمت کے خیالات و تصورات کو حکایات اور تماثیل کے ذریعے خوبصورت انداز میں دلنشین کروایا ہے۔ اگر مثنوی معنوی کے موضوعات اور اس میں مذکور مسائل کا اجمالی جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مثنوی معنوی میں تصوف و روحانیت اور نصائح و عبر کا ایک ایسا سمندر رواں دواں ہے کہ جس کی ہر موج اور لہر کے اندر زندگی کے کئی رنگ اور پہلو موجود ہیں۔

> "رومی کا یہ کارنامہ بھی ناقابلِ فراموش ہے کہ ان کی زبانِ قلم نے تصوف کو فلسفے کا ایک مکمل نظام بنا دیا۔ ان سے پہلے تصوف حال کی چیز تھی، رومی صاحبِ حال تو تھے ہی لیکن انھوں نے اُسے بزمِ فکر میں بھی اس طرح جگہ دلوائی کہ تصوف فلاسفہ کی ہمسری کا دعوے دار بن گیا۔ ان کے فلسفہ کو سمجھنے کی مربوط و منظم کوششیں بھی ہوئیں اور خود مثنوی کی بے شمار شرحیں بھی لکھی گئیں۔"[11]

3. صوفیانہ شاعری میں حکایت نگاری

نظم و نثر دونوں صورتوں میں ملنے والی حکایات کو خیالی، غیر حقیقی یا لغو قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بلکہ اِن حکایات میں ایک قوم، مذہب یا کسی خاص علاقہ کی ابتدائی فکر کی تاریخ موجود ہوتی ہے۔ یہ قصے اور حکایات اپنے اپنے زمانے کی تہذیب و ثقافت کا رنگ اپنے اندر سموئے ہوتے ہیں۔ عہد قدیم سے متعلق اکثر مواد انہی حکایات اور قصوں سے میسر آتا ہے۔ حکایات کی اسی اہمیت کے سبب صوفیاء کے اندازِ بیان اور طرزِ تحریر میں سے ایک اہم طریق حکایت نگاری بھی ہے۔ اس اسلوب کے تحت وہ حکایات، واقعات، قصص اور کہانیوں کے پردے میں اعتقادی، علمی، فکری، فلسفیانہ، اخلاقی، روحانی اور عمرانی و سماجی اسرار و حکم، دروس و عبر، وعظ و نصیحت اور لطیف علمی نکات کو واضح کرتے چلے جاتے ہیں۔ اعتقادی، اخلاقی و روحانی اور عمرانی و سماجی نوعیت کے کئی مسائل ایسے ہیں کہ عامۃ الناس کے لیے خالصتاً علمی انداز میں ان مباحث کو سمجھنا نہایت مشکل امر ہے لیکن اگر انھیں حکایات اور کہانیوں کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی جائے تو نہ صرف اس خاص علمی و فلسفیانہ موضوع سے ہر ایک کی دلچسپی قائم ہوتی ہے بلکہ اس کے مفاہیم و مقاصد سے بھی آشنائی حاصل ہو جاتی ہے۔

صدف[12] لکھتی ہیں:

> "علوم و فنون کی سمجھ بوجھ اور عقل و بصیرت کے حوالے سے انسانوں کی کئی قسمیں ہیں: کچھ بالکل سطحی علم رکھتے ہیں یا ان کا فہم محدود ہوتا ہے اور تصوف کے عمیق رازوں کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ ہر کوئی اپنی سمجھ اور فکر کے مطابق قصے سے لطف اٹھاتا ہے۔ نزدیک کے معنی سمجھنے والے اسے عام قصے کی طرح داستان سمجھ کر پڑھتے ہیں جبکہ دور کے معنی جاننے والے صاحبِ بصیرت شاعر کے اصل مدعا کو سمجھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔"

---

[11] Akhtar, Waḥīd, Dr., *K̲hawāja Mīr Dard (Taṣawwuf aur Sha'irī)* (Aligarh: Anjuman Taraqqī Urdū Hind, 1971), 249.

[12] Ṣadaf, Ṣughrā, *Falsafa-e-'Ishq* (Lahore: Al-Faiṣal Nāshirān wa Tājirān-e-Kutub Urdū Bāzār, 2015), 35.

صوفیانہ شاعری میں حکایات کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ اپنے دامن میں حکایات کا ایک قابلِ ذکر حصہ سموئے ہوئے ہے۔ صوفیاء نے ان کا تذکرہ محض ذہنی تفریح اور وقتی فرحت وانبساط کے مقصد کے حصول کے تحت نہیں کیا بلکہ حکایت نگاری کے ذریعے اعتقادی، اخلاقی و روحانی اور عمرانی و سماجی امور سے متعلقہ اسرار و حکم سے ہر طبقۂ فکر کے لوگوں کی اخلاقی و روحانی اور علمی و فکری تربیت کرنا چاہتے ہیں۔ صوفیانہ شاعری میں جب کسی مسئلہ کے ابلاغ کے لیے حکایات کو بیان کیا جاتا ہے تو عام لوگوں کو اس حکایت کا سادہ اور ظاہری معنی و مفہوم ہی سمجھ آتا ہے جبکہ یہی حکایت جب مختلف علوم وفنون سے تعلق رکھنے والے لوگ پڑھتے ہیں تو اُن پر اس حکایت کی معنویت اپنے علمی میدان کی مناسبت سے عیاں ہوتی چلی جاتی ہے۔ صوفیاء چونکہ انسانیت سے محبت کے علمبر دار ہوتے ہیں اور ان کے ہاں بلا تفریق مذہب و نسل اور علاقہ و قوم ہر طرح کے لوگ آتے ہیں، لہٰذا یہ پاک طینت ہستیاں تعلیم و تربیت میں سہولت و آسانی کے پیشِ نظر حکایات کو بھی ذریعۂ ابلاغ بناتی ہیں اور ان کے ذریعے عامۃ الناس اور خواص کی ہمہ پہلو تعلیم و تربیت کے فرائض سر انجام دیتی رہتی ہیں۔ اس ذریعۂ ابلاغ (حکایت نگاری) سے اُن کا اصل مقصد کسی نہ کسی علمی، فکری، روحانی، قلبی اور معاشرتی الجھن کو سلجھانا اور ابہامات کو دور کرنا ہوتا ہے۔ متقی، پرہیزگار اور نیک افراد کی حکایات، نصیحت آموز داستانیں اور قصے؛ اعمال و احوال اور ذہن و فکر کی اصلاح میں نہایت مؤثر کردار ادا کرسکتے ہیں۔ صوفیانہ شاعری میں مذکور حکایات میں موجود اسرار و حکم کے ذریعے نہ صرف آج کے قومی و معاشرتی مسائل، انسانی ترجیحات کا تعین اور اصلاح، شخصیت و کردار سازی اور اخلاقی اقدار کے زوال کی وجوہات جیسے مختلف موضوعات کی وضاحت ہوتی ہے بلکہ ہر علم وفن سے متعلق علماء و مفکرین کو بھی قوم وملت کی تعمیر کے سلسلہ میں واضح رہنمائی میسر آتی ہے۔

کسی بھی علمی وفکری اور فلسفیانہ بحث کو ایک عام آدمی کے لیے بھی پر اثر بنانے کے حوالے سے جب بھی کوئی مصنف اپنے علمی شاہکار کو ترتیب دیتا ہے تو اس کے سامنے دو اسلوب ہوتے ہیں: ایک یہ کہ مستقل حیثیت سے علمی مسائل بیان کیے جائیں اور دوسرا یہ کہ کوئی حکایت، قصہ، کہانی لکھی جائے اور پھر اس حکایت سے مستفاد علمی مسائل کو موقع بہ موقع بیان کیا جائے۔ پہلے اسلوب سے صرف وہی لوگ استفادہ کرسکتے ہیں جن کا اس متعلقہ علم سے کچھ نہ کچھ واسطہ ہوتا ہے جبکہ دوسرا اسلوب ان لوگوں کے لیے نہایت کارگر ہوتا ہے جو علمی مضامین کے دقیق نکات اور ان میں موجود فکری گہرائی تک پہنچنے سے قاصر ہوں۔ عامۃ الناس کی اکثریت کو ان حکایات، قصص اور روحانی لطائف و معارف کے ذریعے علمی و فکری اور اخلاقی و روحانی امور کی جانب متوجہ کیا جاتا ہے۔ صوفیانہ شعر و ادب میں موجود حکایات کی اہمیت وافادیت کو ریاض([13]) نے اس طرح اجاگر کیا ہے کہ

> "صوفیانہ شعر و ادب میں علمی و فکری نکات اور فلسفیانہ ابحاث کے علاوہ جو کچھ مذکور ہوتا ہے، اُسے لطائف کہا جاتا ہے۔ ان لطائف میں حکایات، قصص، شخصی واردات اور روحانی تجربات و مشاہدات شامل ہوتے ہیں۔ یہ لطائف بڑے دلآویز ہوتے ہیں اور اپنی اسی دلکشی اور عام فہم انداز کی بناء پر عامۃ الناس میں ان کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ عام آدمی کو قرآن مجید، احادیث مبارکہ، فقہ، تصوف اور دیگر علوم میں سے اگر کوئی دلیل بیان کی جائے تو اس کے لیے اسے سمجھنا نہایت مشکل جبکہ پڑھے لکھے لوگوں کی اکثریت کے لیے بھی اسے سمجھنا آسان نہیں۔ لیکن اگر اس بات کو حکایت، قصہ اور کہانی کی صورت میں بیان کیا جائے تو اس میں ہر شخص دلچسپی لے گا۔ عام لوگوں کو اس حکایت اور قصہ کے ظاہری معنی سمجھ میں آجائیں گے جبکہ خاص لوگ ان حکایات اور قصص میں پنہاں معانی تک رسائی حاصل کرلیں گے۔"

یہ امر بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ صوفیانہ شعر و ادب اسلامی تعلیمات سے علیحدہ کوئی تعلیم نہیں ہے۔ صوفیاء و اولیاء اور صلحاء کی توجہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وجودِ اقدس سے صادر ہونے والے اعمال اور آپ ﷺ کی زبانِ اقدس سے جاری ہونے والے کلمات پر تھی، یہی وجہ ہے کہ صوفیاء نے

---

[13] Riyāẓ-ul-Islām, "Ṣūfiyānā Adab ke liye Ek Minhāj-e-Taḥqīq kī Zarūrat," in *Fikr-o-Naẓar* (Islāmābād: Idāra Taḥqīqāt-e-Islāmī, Bain-ul-Aqwāmī University, January 1989), 27(1): 82, 84.

جب اپنے علمی شذرات سپردِ قلم کیے تو ان میں ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا فیض جابجا نظر آتا ہے۔ صوفیاء کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مختلف واقعات کو بیان کرتے ہوئے ان سے اصلاحِ معاشرہ کے لیے علمی و فکری نکات کو اخذ کرتے، مسائل و احکام کو استنباط کرتے اور ان ہی حکایات، واقعات سے آپ ﷺ کے فضائل و کمالات اور شمائل و خصائل کے بیان سے لوگوں کے دلوں میں محبتِ رسول ﷺ کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ صوفیانہ حکایات صرف اپنے ظاہری مفہوم تک ہی محدود نہیں ہوتیں بلکہ وہ افراد و معاشرہ پر دور رس اثرات مترتب کرتی ہیں۔

"دنیا کے ہر بڑے محرر و ادیب اور اپنے فن کے ماہر نے لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور نئے حقائق کو منظرِ عام پر لانے کے لیے حکایات اور کہانیوں کو ذریعۂ ابلاغ کے طور پر اختیار کیا۔ ان علمی و فکری شخصیات نے حکایات کے ذریعے شعوری طور پر اعلیٰ انسانی مقاصد کی طرف انسان کو متوجہ کیا۔ انہوں نے حکایات کے ذریعے انسانوں کو آپس میں اخوت، دردمندی، امن و امان، ایثار و قربانی، انسانی ضمیر کی آزادی اور جہدِ مسلسل کا درس دیا"۔ ([14])

مبحث دوم: منظوم حکایت نگاری: اہمیت، صوفیانہ تصورات کی توضیح اور مثنوی کا استعمال

1. منظوم حکایت نگاری کی اہمیت

کتبِ ادب کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ شاعری یا منظوم شکل میں حکایات و قصص اور واقعات کو سب سے پہلے بیان کرنے کا دعویٰ دنیا کی ہر قدیم انسانی تہذیب کرتی نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نثر سے کہیں پہلے انسان شاعری کی صورت میں ہی اپنے خیالات و جذبات اور معلومات دوسروں تک پہنچاتا تھا۔

> "حقیقت یہ ہے کہ انسان کو شعر و نغمہ سے طبعی مناسبت ہے۔ جذبات کی شدت، آہنگ کا احساس، طبیعت کی اپج اور اظہارِ خود کی خواہش؛ یہی چیزیں شاعری کو جنم دیتی ہیں اور یہ چیزیں روزِ ازل سے انسان کی سرشت میں ودیعت ہیں۔"([15])

جب شاعری ہر طرح کے خیالات و جذبات اور معلومات دوسروں تک پہنچانے کا سب سے قدیم ذریعہ قرار پائی اور جب اس وقت اپنے معمولاتِ زندگی کے واقعات کو بیان کرنے کے سواء انسان کے پاس کچھ نہ تھا، تو وہ ان ہی واقعات، مشاہدات اور تجربات کو شاعری کے ذریعے دوسروں کو بیان کرتا۔ گویا اس طرح حکایات، قصص، کہانیوں، داستانوں اور واقعات کو بیان کرنے کے لیے بھی انسان نے شروع ہی سے شاعری کو اختیار کیا ہے۔

> "تاریخی نقطۂ نظر سے یہ سراغ لگانا کہ دنیا کا پہلا منظوم قصہ کب اور کہاں وجود میں آیا؟ آسان نہیں ہے۔ مورخ اس کا جواب دینے سے اس لیے قاصر ہے کہ اس کے پاس جو مواد ہے، وہ خود اس نے منظوم قصوں سے حاصل کیا ہے۔"([16])

دنیا کی تمام زبانوں کے "ادب" کا جائزہ لیا جائے تو تمام میں یہ بات مشترک نظر آتی ہے کہ ہر ایک زبان میں "ادب" کی ابتداء نہ صرف شاعری اور نظم کی صورت میں ہوئی بلکہ اس شاعری اور نظم میں حکایات، کہانیوں، داستانوں اور قصص کا کثیر حصہ موجود ہے۔ انسان کا اپنے خیالات و

---

[14]Hāšmī, Qāẓī ʻAbd-ur-Raḥmān, *Mīrās-e-Hunar* (Delhi: Maktaba Jāmiʻa Limited, 1997), 68.

[15]Fateḥ Pūrī, Farmān, *Urdū kī Manẓūm Dāstānen* (Karachi: Anjuman Taraqqī Urdū Pākistān, 1971), 18.

[16]Fateḥ Pūrī, Farmān, *Urdū kī Manẓūm Dāstānen*, 21.

جذبات کا اظہار کرنا اور اپنی آپ بیتی، جگ بیتی کو بیان کرنا اور اپنے مشاہدات، تجربات اور مختلف واقعات کو نظم و شاعری کی صورت میں بیان کرنے کے رواج کا غلبہ ۱۵ ویں صدی عیسوی تک رہا، بعد ازاں پھر حکایات، قصص اور داستانوں کو بیان کرنے کے لیے نثر کو بھی اختیار کر لیا گیا۔
نظم و شعر کی صورت میں بیان کردہ حکایات اور قصص کی اہمیت کے حوالے سے فتح پوری (17) لکھتے ہیں:

"اس صنفِ سخن کی قدامت و اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایئے کہ انسانی تہذیب و تمدن کے جو قدیم ترین نقوش و آثار اب تک ملے ہیں، ان میں سے اکثر منظوم داستانوں کے توسط سے سامنے آتے ہیں۔ یہ منظوم داستانیں انسان کے ذہنی اکتسابات کی اہم کڑیاں ہیں۔ ان کڑیوں کو نظر انداز کر کے ہم انسانی زندگی کے تہذیبی و ثقافتی تسلسل کا کوئی تصور قائم نہیں کر سکتے۔"

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اولین زمانے کی یہ منظوم حکایات اور داستانیں ہمارے ماضی کی دستاویزات ہیں، جن کی روشنی سے مختلف علوم و فنون ہمارے سامنے آتے رہے اور جن کی بنیاد پر ہر زمانہ میں علوم و فنون تدریجاً تسلسل کے ساتھ ارتقائی مراحل طے کرتے رہے۔ مذہب، عقائد، اخلاق، علوم، فنون، تاریخ، عمرانیات، معاشرت، سیاست، الغرض ہر میدانِ علم کی بنیاد منظوم صورت میں بیان کردہ حکایات، داستانوں اور قصص سے میسر آتی ہے۔ ہندوستان کی مذہبی، سیاسی اور اقتصادی تاریخ؛ نظم کی صورت میں لکھی گئی رگ وید، مہابھارت اور رامائن سے معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر ایران کی تاریخ کا مطالعہ درکار ہے تو اس کے لئے فردوسی کا منظوم شاہکار "شاہنامہ" نہایت اہم ہے، جسے ایران کا مبسوط اور جامع انسائیکلوپیڈیا کہا جا سکتا ہے، جس میں ایران کے مذہب، اخلاق، فلسفہ، سیاست، ریاست، معیشت، طرزِ بود و باش ایک ایک چیز کی تفصیل موجود ہے۔ منظوم حکایات و داستانوں اور قصص کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ان حکایات، کہانیوں اور داستانوں سے اس زمانے کے لوگوں کے ذہنی رجحانات، شوق و رغبت اور مسائلِ حیات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جملہ اصنافِ شعری میں سے غزل، رباعی، قصیدہ اور مرثیہ میں سے کوئی ایک بھی منظوم حکایات و داستانوں کی مثل نہیں ہے۔ یہ منظوم حکایات و داستانیں صنفِ شاعری میں سے مثنوی میں بکثرت موجود ہیں۔

حکایات و قصص منظوم ہوں یا منثور ہر دو صورت میں ان کی اہمیت اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ان حکایات کو پڑھنے سے انسان کی قوتِ متخیلہ مضبوط و مستحکم ہوتی ہے۔ ان حکایات کا مطالعہ قاری کے اندر تلاش و تجسس کو مہمیز دیتا ہے، ان کے مطالعہ سے غور و فکر کے دائرہ میں وسعت آتی ہے۔ حکایات، کہانیوں اور قصص کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر اسے بچوں کے نصاب میں بطورِ خاص شامل کیا جاتا ہے۔

"اس تخیل کی مدد سے انسان خود کو ان کہانیوں کا ہیرو بناتا ہے، خیالی افراد کے خیالی تجربات سے بہرہ ور ہوتا ہے، اس کے جذبات میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کے غم سے غمگین اور دوسروں کی خوشی سے خوش ہونا سیکھتا ہے۔ کہانی کے کردار سامعین و قارئین کے مادۂ تجسس کو بھڑکاتے ہیں اور ان کے تخیل پر تازیانے کا کام کرتے ہیں۔" (18)

حکایات کو اکثر یہ کہہ کر رد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ صرف ایک تخیل ہے، لہٰذا اس کی کوئی علمی و ادبی اہمیت نہیں ہے۔ اس حوالے سے یہ امر جاننا ضروری ہے کہ منظوم و منثور حکایات، کہانیاں، داستانیں اور قصص بلاشبہ تخلیق ذہنِ انسانی ہیں مگر ان کو بیان کرنے والا انھیں بیان کرتے ہوئے کبھی اپنے ماحول، گرد و پیش، روایات، تاریخ، معاشرت اور عقائد کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس لیے جب کسی بھی حکایت، کہانی، داستان یا قصہ کا مطالعہ

[17]Fateḥ Pūrī, Farmān, *Urdū kī Manẓūm Dāstānen*, 31.

[18] Aḥmad, Kalīm-ud-Dīn, *Urdū Zabān aur Fan-e-Dāstān-Gōī* (Patna: Dā'ira Adab Bānkipur, s.n.), 25.

کرتے ہیں تو ان کا تعلق زندگی کے کسی نہ کسی پہلو سے لازماً جڑا ہوا نظر آتا ہے۔ منظوم داستانوں، حکایات، واقعات اور کہانیوں کا ہماری معاشرت اور مسائلِ حیات سے کیسا تعلق ہوتا ہے؟ اس حوالے سے فتح پوری[19] لکھتے ہیں:

> ”منظوم داستانوں (حکایات، کہانیوں، قصص) کی بناء خلاء میں نہیں رکھی گئی، وہ انسان کی پیداوار ہیں اور انسانی زندگی سے ان کا گہرا تعلق ہے۔ وہ انسان کو زمانہ قدیم و بعید کی یاد دلاتی ہیں۔ اس کے اعتقادات و میلانات پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اس کے اندازِ غور و فکر اور قوتِ متخیلہ کو پرواز سے آشنا کرتی ہیں۔ اس کی سادہ لوحی، بے چارگی، مردانگی، معصومیت، خدا ترسی، قوتِ تسخیر اور فتح و کامرانی کے قصے سناتی ہیں۔ اس کے ذوق و شوق، مشاغل و معمولات اور خیر و شر کے تصورات سے آگاہ کرتی ہیں۔“

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ منظوم حکایات و قصص اور کہانیوں میں زندگی کی ترجمانی، تنقید، تشریح و توضیح اور تفہیم اعلیٰ پیمانے پر موجود ہوتی ہے۔ مسائلِ حیات کو مخاطب کرنا اور زندگی سے تعلق ہی کی وجہ ہے کہ ہمیں کئی نامور شعراء نظر آتے ہیں جن کی بیان کردہ حکایات اور قصص نے انھیں شہرتِ تامہ اور حیاتِ جاودانی عطا کر دی۔ منظوم حکایات کی اہمیت اس امر سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ یہ انسان کی داخلی اور خارجی و مصنوعی زندگی ہر دو کو مخاطب کرتی ہیں۔ اس میں دیگر اصنافِ سخن کی طرح صرف خارجی و مصنوعی زندگی کا رنگ موجود نہیں ہوتا بلکہ یہ داخلی و خارجی زندگی دونوں کے رنگ میں رنگی ہوئی نظر آتی ہیں۔ منظوم حکایات، کہانیاں، داستانیں بظاہر تو کسی ایک موضوع سے متعلق ہوتی ہیں لیکن اگر بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو ان میں ہر انسان کے ذوق اور مزاج کے مطابق داخلی اور خارجی زندگی کا سامان موجود ہوتا ہے۔

منظوم حکایات، داستانیں اور کہانیاں اس حوالے سے بھی اہمیت کی حامل ہیں کہ ان کا شاعری اور ادب میں ایک عالی مقام ہے۔ منظوم حکایتی شاعری کے اعلیٰ نمونوں کا مطالعہ کیے بغیر اعلیٰ درجہ کی شاعری کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح منظوم حکایات چونکہ اپنے اندر اخلاق، سیرت و کردار اور اصلاحِ احوال و اعمال کے لیے بھی کئی خزانے سموئے ہوئے ہوتی ہے، لہٰذا ان کا مطالعہ انسان کے اخلاق کی اصلاح اور شعور کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

> ”قصص اور افسانوں کا مطالعہ اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس سے تخیل پیدا ہوتا ہے اور جب علم و تخیل ہم آغوش ہوں تو اس سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ نہایت خوشگوار ہوتے ہیں۔ اگر صرف علومِ صحیحہ کا مطالعہ کیا جائے تو طبیعت میں نشر، خیالات میں انجماد اور زندگی میں سردی پیدا ہو جانے کا خوف ہے۔“[20]

منظوم حکایات کے مذکورہ جملہ پہلوؤں سے واضح ہوا کہ حکایات، داستانیں، کہانیاں اور قصے محض تفریحِ طبع کا سبب نہیں ہوتے بلکہ ان کے کئی افادی پہلو ہیں۔ اگر ان حکایات کے مطالب و مفاہیم سے حقیقی معنوں میں آگہی نصیب ہو جائے تو پھر انسان دنیا میں ناامیدی کی بجائے امید، بے عملی کے بجائے عمل اور راہِ فرار کے بجائے قرار پکڑ تا ہے۔ وہ دنیا کے ہنگاموں سے فرار حاصل نہیں کرتا بلکہ ان حکایات سے حاصل ہونے والے اسباق اور ان حکایات میں بیان کردہ فلسفہ و حقائق کی روشنی میں اپنی زندگی کی راہوں کو خود تراشا ہوا نظر آتا ہے۔

---

[19] Fateḥ Pūrī, Farmān, *Urdū kī Manẓūm Dāstānen*, 38.

[20] Aḥmad, Kalīm-ud-Dīn, *Urdū Zabān aur Fan-e-Dāstān-Gōī* (Patna: Dā’ira Adab Bānkipur, s.n.), 25.

2. صوفیانہ تصورات کی وضاحت میں حکایات کا کردار

اخلاقیات اور حکمت کی تعلیم کے مقصد کے ساتھ حکایات اور تمثیلوں کا استعمال قوموں کی تاریخ میں ایک طویل تاریخ رکھتا ہے، اس کی بہت سی مثالیں قدیم ایران کے ساتھ ساتھ قرآن مجید اور مذہبی روایات میں بھی مل سکتی ہیں۔ فارسی ادب میں اخلاقی قصے اور مشہور حکایات سنانے کے لیے صوفیاء نے بھی اس تعلیمی طریقہ کار سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ حکایت کو ایک پیمانہ کے طور پر اور اس کے مواد اور معنی کو ایک دانے کے طور پر لیتے ہوئے اسے شکل و صورت سے زیادہ اہمیت دی۔ انہوں نے اپنے مقاصد کے لیے مختصر یا تفصیلی حکایات بیان کیں اور ان سے نتائج اخذ کیے، کیونکہ یہ طریقہ لوگوں کے لیے گہرے نظریاتی اور صوفیانہ مفہوم کو سمجھنے کے لیے بہت مفید اور موثر رہا ہے۔ پس تمثیلیں اور حکایات عارفانہ و صوفیانہ خیالات کے اظہار کا سب سے اہم ذریعہ سمجھی جاسکتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں تصوف کی پر اسرار دنیا میں داخل ہونے کا راستہ اکثر مختصر اور بعض اوقات تفصیلی حکایات ہوتی ہیں جو اپنے ظہور کے پیچھے ایک گہرا راز چھپائے ہوئے ہوتی ہیں۔ ابتدا میں حکایات اور تمثیلوں کا کردار محض تصوف کے رسوم ورواج، بزرگوں کی حیثیت اور ان کے مقصد، تبلیغ و نصیحت اور اخلاقی مسائل کی تعلیم دینا تھا۔ سراج (21) لکھتے ہیں:

و آداب مقصود صوفیه را از حکایت های منقول از آن ها می توان تحصیل کرد۔

یعنی صوفیاء کا مقصود حکایات کے ذریعے آداب سکھانا ہے۔ رفتہ رفتہ بزرگوں کی حکایات اور تمثیلوں کو بیان کرنے کے علاوہ حکایت و تمثیل کے قالب میں صوفیانہ موضوعات کو بھی بہتر وضاحت کے ساتھ بیان کیا جانے لگا تاکہ سامعین کے اذہان کو اِن تصورات کے قریب کیا جائے۔ اس سلسلے میں عرفانے کوشش کی کہ وہ نثر اور نظم کی صورت میں وہ حکایات سنائیں جو صوفیانہ تصورات پر مشتمل ہیں۔ یا عام لوگوں میں مشہور حکایات کو صوفیانہ تشریحات کے ساتھ پیش کیا جائے۔

حکایت اور تمثیل ایک ایسا ذریعہ ہے جو ایرانی صوفیانہ ادب میں استدلال کا ایک بنیادی طریقہ ہے۔ یہ رواج ایرانی ادب میں ایک عرصے سے صوفیانہ تحریروں میں عام ہے۔ صوفیانہ ادب میں حکایت و تمثیل کا استعمال حادثاتی نہیں ہے بلکہ اس میں ایک تسلسل ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ صوفیانہ حکایات اور تمثیلوں کی شکل میں اظہار کی یہ قسم حکیم سنائی، شیخ عطار اور مولانا روم کی مثنویوں پر مبنی ہے۔ صوفیانہ ادب میں حکایات اور تمثیلوں کی بنیاد ان تینوں عظیم ہستیوں کی تخلیقات کے تحت وجود میں آئیں۔

> **از آنجا که شاکله بیشتر تمثیل های عرفانی مبتنی بر قصه و روایت است، وجه روایی تمثیل هم که جاذبه ای عاطفی را در خود دارد در کنار جنبه معنا افرینی آن همواره مورد توجه عارفان بوده است۔ چرا که در ادبیات عارفانه ایران قصه برای ایجاد واکنش عاطفی وتمثیل برای معنا افرینی به کار می رود۔ (22)**

زیادہ تر صوفیانہ تمثیلوں کی شکل حکایات پر مبنی ہے۔ تمثیل کا بیانیہ پہلو معنی سازی کے لحاظ سے ایک کشش رکھتا ہے، یہ ہمیشہ صوفیاء کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ کیونکہ ایران کے صوفیانہ ادب میں حکایت کو جذباتی رد عمل پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور تمثیل کو معنی پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ خالص منطقی دلائل اور فلسفیانہ وعظ و نصیحت کا انداز سننے والے پر ایک بوجھ ہوتا ہے جب کہ حکایت اور تمثیل کے استعمال نے صوفیانہ موضوعات کی کشش کو دوگنا کر دیا ہے۔

---

[21]Al-Sirāj, Abū Naṣr, *Al-Luma‘ fī al-Taṣawwuf*, ed. Reynold A. Nicholson (Tehran: Jahān, 1914), 148.
[22]Riẓwānyān, Qudsiyā, *Sākhtār Dāstānī Ḥikāyat-hā-ye ‘Irfānī* (Tehran: Sukhan, 1389), 21.

دقیقا به همین دلیل است که مجالس وعظ و تذکیر مولانا در قونیه از جوشش و ازدحام معتقدان رونق بی اندازه می یافته و در مقابل مجالس صدرالدین قونوی رقیب متشرع وی که مباحث ان بر اساس تحقیق و تعمیق نظری مطرح می شد چندان مورد توجه افکار عمومی و اقع نمی شد۔ (23)

یہی وجہ ہے کہ قونیہ میں مولانا روم کے اجتماعات میں اہلِ ایمان کی ایک بڑی تعداد پر جوش شرکت کرتی اور اس کے برعکس صدرالدین قونوی کی مجالس جن کی مباحث تحقیق اور نظریاتی گہرائی پر مبنی تھیں، انہیں رائے عامہ کی طرف سے زیادہ توجہ نہیں ملی۔

3. منظوم حکایات کے لیے شعری صنف "مثنوی" کا استعمال

منظوم حکایات اور قصص زیادہ تر اصنافِ سخن میں سے "مثنوی" میں بیان کیے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مثنوی؛ مضامین کی وسعت و ہمہ گیریت اور اپنے اسلوب کی وجہ سے حکایات اور قصص کے لیے نہایت موزوں و مفید ہے۔ مثنوی میں جس قدر آزادی اور آسانی سے حکایات، واقعات اور قصص کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکتا ہے، ایسا کسی دوسری صنفِ سخن میں ممکن نہیں ہے۔ قافیہ و ردیف میں آسانی اور مضامین و موضوعات کے اعتبار سے وسیع ہونے کی وجہ سے شعراء اپنے تخیل کی طاقت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنے خیالات و افکار کو سامعین و قارئین تک بآسانی پہنچاسکتے ہیں۔ مثنوی ایک ایسی صنفِ سخن ہے کہ اس کے ذریعے حکایات اور دیگر مضامین کو بیان کرتے ہوئے شعراء کے خیالات کا تسلسل، بیان کا ربط، تخیل کی بلندی، موضوع کا ادراک اور لطیف اسلوبِ بیان کو بھی جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے۔

"جتنی اصناف فارسی اور اردو شاعری میں متداول ہیں، ان میں سے کوئی صنف مسلسل مضامین کے بیان کرنے کے قابل مثنوی سے بہتر نہیں ہے۔" (24)

صنفِ مثنوی میں منظوم حکایات کو اس احسن انداز سے بیان کیا جاسکتا ہے کہ ایک طرف فردوسی کی "شاہنامہ" کی صورت میں موجود مثنوی جو حکایات و قصص کا ایک خزانہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اسے "قرآن العجم" کہا جاتا ہے اور دوسری طرف مولانا روم کی "مثنوی معنوی" جو مسائلِ تصوف و اخلاق میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے اور حکایات کے ذریعے متنوع مضامین و موضوعات کو واضح کرتی ہے، "ہست قرآن در زبان پہلوی" کے اعزاز سے نوازی گئی ہے۔ گویا مثنوی اپنے اسلوب کی آسانی اور جامعیت کے پیشِ نظر جہاں ہر طرح کے مضمون کو اپنے اندر سمونے کی اہلیت رکھتی ہے، وہاں حکایات و قصص کو بیان کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی دوسری صنف نہیں ہے۔ مثنوی کے متعلق شبلی (25) لکھتے ہیں:

"انواعِ شاعری میں یہ صنف تمام انواعِ شاعری کی بہ نسبت زیادہ وسیع اور زیادہ ہمہ گیر ہے۔ شاعری کی جس قدر انواع ہیں، سب اس میں نہایت خوبی سے ادا ہو سکتے ہیں۔ جذباتِ انسانی، مناظرِ قدرت، واقعہ نگاری، تخیل، ان تمام چیزوں کے لیے مثنوی سے زیادہ کوئی میدان ہاتھ نہیں آسکتا۔ مثنوی میں اکثر کوئی تاریخی واقعہ یا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس بناء پر

---

[23] Zarīn Kūb, ‘Abd-ul-Ḥusain, *Sirr-e-Nī* (Tehran: Intišārāt-e-‘Ilmī, 1381), 278.

[24] Hālī, Altaf Ḥusain, *Muqaddama Shu‘ro Sha‘irī* (Lahore: Maktaba Jadīd, 1953), 184.

[25] Na‘mānī, Shiblī, *Sher-ul-‘Ajam* (Azamgarh: Shiblī Academy, 2007), 4:164.

زندگی اور معاشرت کے جس قدر پہلو ہیں، سب اس میں آجاتے ہیں۔ انسانی جذبات، تاریخ کے مختلف اور گوناگوں واقعات، مناظرِ قدرت، اخلاق و فلسفہ، تصوف کے مسائل نہایت تفصیل سے اس سے ادا کیے جاسکتے ہیں۔۔۔ اس کے مضامین کی بھی کوئی تخصیص نہیں، رزمیہ، عشقیہ، تصوف، فلسفہ، واقعہ نگاری، جو مضمون چاہیں ادا کرسکتے ہیں۔"

i. مثنوی کی اقسام اور صوفیانہ مثنوی

مثنوی کے موضوعات لامحدود ہیں۔ تاہم ادب کی روایت کے مطالعہ کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ اب تک جو مثنویاں معرضِ وجود میں آئیں، وہ موضوع کے اعتبار سے عموماً تین طرح کی ہیں: رزمیہ، ، بزمیہ اور مذہبی یا صوفیانہ مثنوی۔ رزمیہ مثنوی میں عام طور سے جنگ و جدال کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے اسلوب و لہجے میں بلند آہنگی پائی جاتی ہے۔ بزمیہ مثنوی میں عشق و محبت کی داستان بیان کی جاتی ہے۔ مذہبی مثنوی میں بزرگوں اور صوفیوں کے ارشادات اور پند و نصائح بیان کیے جاتے ہیں۔ ([26])

مذہبی مثنویاں ہی دراصل صوفیانہ مثنویاں ہیں جن میں صوفیاء نے تصوف و سلوک اور روحانیت و معرفت کے امور کو بکثرت بیان کیا ہے۔ نارنگ ([27]) نے اردو زبان میں لکھی گئی مثنوی کی درج ذیل چھ اقسام کا ذکر کیا ہے:

۱۔ مذہبی مثنویاں ۲۔ تاریخی مثنویاں ۳۔ معاشرتی کوائف و آثار کی حامل مثنویاں
۴۔ فطری مظاہر کے بارے مثنویاں ۵۔ حب الوطنی کے جذبات کی آئینہ دار مثنویاں ۶۔ علاقائی قصے کہانیوں سے ماخوذ مثنویاں

"مثنوی" کی اقسام میں سے "صوفیانہ مثنوی" ہی وہ مثنوی ہے، جس کا براہ راست تعلق زیرِ نظر مقالہ سے ہے۔ گذشتہ فصل میں فارسی اور اردو زبان کے صوفی شعراء اور اُن کے صوفیانہ کلام کی بحث کے دوران اُن کی صوفیانہ مثنویوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ ان جملہ صوفیاء اور شعراء نے "مثنوی" کی جامعیت اور ہمہ گیریت کے سبب جہاں اس میں صوفیانہ افکار و خیالات، تصوف و سلوک کے اسرار و رموز، عبر و نصائح، اخلاقیات اور دیگر اصلاحی موضوعات کو بیان کیا، وہاں ان جملہ موضوعات کی تفہیم کے لیے حکایات کو بھی بیان کیا ہے۔

خلاصہ کلام

شعراء و ادباء نے اپنے فن میں تصوف کو اختیار ہی اس لیے کیا کہ زندگی کا ہر پہلو خواہ اس کا تعلق مذہب سے ہو یا اخلاق اور حسن و جمال سے، تصوف انھیں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ تصوف وجدِ شاعرانہ کی آئینی شکل ہے اور شاعری ذوقِ صوفیانہ کی ایک والہانہ صورت کہی جاسکتی ہے۔ ہر صوفی ذوقِ شعر سے اور شاعر تصوف سے فطری لگاؤ رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے تصوف اور شاعری میں ان کے باہمی اشتراک و جدانیت کے سبب ایک ایسا بنیادی رابطۂ اتحاد قائم ہے جو کسی حالت میں منقطع نہیں کیا جاسکتا۔

حکایت نگاری ادب کی وہ اہم شاخ ہے جس میں حکایات کے ذریعے اخلاقی، روحانی اور فلسفیانہ پیغامات کا ابلاغ کیا جاتا ہے۔ تصوف کے مختلف پہلوؤں کو آسان زبان میں سمجھنے کے لیے صوفیانہ حکایات کو استعمال کیا گیا۔ تصوف میں حکایات کا مقصد روحانی تجربات اور تعلیمات کو سادہ،

---

[26] ʻAqīl, Sayyid Muḥammad, *Urdū Mas̱navī kā Irtiqā (Shumālī Hind meṅ)* (Allāhābād: Allāhābād University, 1965), 25.

[27] Nārang, Gopī Chand, *Hindustānī Qiṣṣon se Makḥūz Urdū Mas̱naviyān* (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2003), 25–27.

دلچسپ اور قابلِ فہم انداز میں پیش کرنا ہوتا ہے تاکہ عام لوگ بھی ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء نے اپنی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے حکایات کے بیان کا طریقہ اختیار کیا۔ یہ حکایات محض حکایات نہیں بلکہ زندگی گزارنے کا ایک مکمل طریقہ اور زندگی کی حقیقت کو سمجھنے کا ایک ذریعہ بھی ہیں۔

صوفیانہ حکایات اپنے اندر وہی روحانیت، اخلاقیات اور حکمت سموئے ہوئے ہیں جو نثری حکایات میں ہوتی ہے۔ نظم کی صورت میں پیش کی گئی حکایات ایک طرف جذباتی طور پر زیادہ دلکش ہوتی ہیں تو دوسری طرف تصوف کی تعلیمات کا مجموعہ بھی ہوتی ہیں۔ شعری اسلوب میں ڈھلی ہوئی منظوم حکایات اپنی موسیقیت اور ہم آہنگی کے سبب قاری کے لیے ایک خاص لذت کا باعث بنتی ہیں۔ ان منظوم حکایات کا مطالعہ نہ صرف تصوف کی گہرائیوں سے آشنا کرواتا ہے بلکہ زندگی کے اخلاقی و روحانی اصولوں کو سمجھانے میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ پس حقیقی شعر و ادب وہی ہوگا جس میں انسان کی زندگی کا ہر پہلو موجود ہو اور ہر پہلو کو محیطِ ادب کرنے کے لیے شعراء کے لیے تصوف ناگزیر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Bibliography / کتابیات

- Hālī, Altaf Ḥusain. *Muqaddama Shu'ro Sha'irī.* Lucknow: Uttar Pradesh Urdu Academy, 1992.
- Iqbāl, Nafīs, Dr. *'Abdīyat ke Tanāzur Se.* Lahore: Idāra Saqāfat-e-Islāmiyā, 2011.
- Āghā, Wazīr, Dr. "Adab aur Akhlāqīyat." In *Dr. Wazīr Āghā ke Tanqīdī Maqālāt,* edited by Sayyid Sajjād Naqvī, 227–232. Lahore: Maktaba Āliyā, 1995.
- Dāniš, Ṣafī Ḥaidar, Sayyid. *Taṣawwuf aur Urdū Sha'irī.* Lahore: Sindh Sāgar Academy, 1948.
- Sarwar, Āl Aḥmad. *Dānishwar Iqbāl.* Aligarh: Educational Book House, 1994.
- Qāsmī, Zakīra Sharīf, Dr. *Fārsī Sha'irī (Ek Muṭāla'a).* Delhi: Indo-Persian Society, 1987.
- Fateḥ Pūrī, Farmān. *Urdū kī Manẓūm Dāstānen.* Karachi: Anjuman Taraqqī Urdū Pākistān, 1971.
- Na'mānī, Shiblī. *Sher-ul-'Ajam.* Azamgarh: Shiblī Academy, 2007.
- Bijnorī, 'Abd-ur-Raḥmān. *Baqīyāt-e-Bijnorī.* New Delhi: Maktaba Jāmi'a, 1250H.
- Al-Sirāj, Abū Naṣr. *Al-Luma' fī al-Taṣawwuf.* Edited by Reynold A. Nicholson. Tehran: Jahān, 1914.